جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

جمادی الاخریٰ ۱۴۳۶ھ اپریل ۲۰۱۵ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

فہرست

خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0301-0331-6769897

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

منکرین ختم نبوت کا بائیکاٹ

اکتوبر ۲۰۱۴ء سرگودھا میں تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس سے مدیر الحقانیہ مدظلہم نے جو بصیرت افروز خطاب فرمایا اسے افادہ عام کے لیے ''الحقانیہ'' کے ادارتی صفحات میں شائع کیا جا رہا، جسے مولوی واصف الرحمٰن عباسی سلمہ نے ضبط کیا ہے۔ (ادارہ)

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونتوکل علیہ: ولاترکنواالی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

جناب صدر، قابل صد احترام حضرات علماء کرام اور لائق تکریم سامعین حضرات!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام یہ عظیم الشان سالانہ کانفرنس ضلع سرگودھا میں منعقد ہو رہی ہے، یہ بات آپ سب حضرات کے علم میں ہے اور سب کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا سلسلہ شروع فرمایا اور حضرت نبی کریم سرور دو عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو مکمل کیا اور ختم فرما دیا، یہ ایک ایسا واضح عقیدہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا بھی کوئی ابہام اور کوئی تردد اور شک نہیں ہے ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے، جن لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹے کذاب اور دجال کہلائے۔ انہیں نبی نہیں بلکہ متنبّی کہا گیا۔

اس تفصیل میں میں نہیں جا رہا کہ کن کن لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان کا کیا حشر ہوا، آپ سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ہر مسلمان اس حقیقت کو سمجھتا ہے کہ جس شخص نے بھی آپ علیہ السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا پوری امت مسلمہ نے اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا۔

غلام احمد قادیانی نے جب ۱۹۰۱ء میں رسالہ لکھا ''ایک غلطی کا ازالہ'' اس میں اس نے نبی ہونے کا دعوی کیا، درپردہ پہلے ہی نبوت کا مدعی تھا لیکن جب اس نے اس رسالہ میں کھل کر نبوت کاذبہ کا دعوی کیا تو اس وقت بھی تمام مکتب فکر اور پوری امت مسلمہ نے اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔

آپ سب حضرات کے علم میں ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بھی یہاں پاکستان میں ۱۹۵۳ء میں تحریک چلی اور بالآخر ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، لیکن اصل بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اب بھی معاملہ پورے طور پر حل نہیں ہوا، شرعی طور پر ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والے لاہوری ہوں یا چناب نگر کے رہنے والے مرزائی ہوں، یا قادیان کے رہنے والے ہوں شرعی حیثیت سے ان کا درجہ کیا ہے۔

میں مختصر سے وقت میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ غلام احمد قادیانی اور مرزائی صرف کافر نہیں ہیں، کافر تو ہیں ہی اس حقیقت کو آپ سب حضرات سمجھتے ہیں ۔ کافر ہیں یا نہیں؟ زور سے بولو، تو کافر تو یہ ہیں ہی اس میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کفر کے بھی کئی درجے ہوتے ہیں۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں سب تفصیلات موجود ہیں، یہ بات ذرا یاد رکھیے کہ اسلام مذہب نہیں ہے بلکہ دین ہے۔

اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں:

”ان الدین عنداللہ الاسلام ومن یبتغ غیرالاسلام دینًافلن یقبل منہ وھوفی الآخرۃ من الخسرین“

توجب یہ دین ہے تو دوسرے مذاہب کے احکام بھی بیان کرتا ہے، حتی کے کافروں کے احکام بھی اسلام نے بیان کیے ہیں، ذمیوں کے احکام بھی بیان کیے ہیں، لیکن اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ کفر کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں، قادیانی صرف کافر نہیں ہیں بلکہ یہ

کافر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ملحد اور زندیق اور مرتد بھی ہیں۔

اور الحاد اور زندقہ کس کو کہا جاتا ہے؟ الحاد اور زندقہ کے سمجھنے کے لیے ذرا توجہ کیجیے کہ دین اسلام کے وہ عقائد ونظریات اور وہ مسائل جن پر پوری امت کا اجماع ہے اور وہ قرآن وسنت سے ثابت ہیں، قطعی بدیہی اور متواتر ہیں ان کی نئی تعبیر کرنا، ملمع سازی سے ان کو پیش کرنا اور واضح تعلیمات میں تحریف کرنا اس کا نام زندقہ ہے اور غلام احمد قادیانی کی جہاں تکفیر کی اور بہت سی وجوہات ہیں، سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ احکام اسلام میں تحریف سے کام لیا ہے اس لیے یہ زندیق ہے۔

غلام احمد قادیانی اور تمام مرزائی نہ صرف کافر بلکہ ملحد اور زندیق ہیں جب آپ حضرات کو یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ غلام احمد قادیانی کے ماننے والے اور خود غلام احمد صرف کافر نہیں بلکہ ملحد اور زندیق بھی ہے اس لیے کہ قرآن کریم کی نصوص، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ختم نبوت کا جو مفہوم ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا "لا نبی بعدہ" آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تشریف لائیں گے لیکن وہ نئے نبی نہیں ہیں ان کو نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عطا فرمائی گئی ہے ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں، یہ بات آپ کو سمجھ میں آنی چاہیے، تو ختم نبوت کا جو معنی ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کسی کو یہ نبوت کا عہدہ نہیں دیا جائے گا یہ وہ مفہوم ہے جو پوری امت کے نزدیک طے شدہ ہے۔ اور ختم نبوت زمانہ کے اعتبار سے بھی ہے، مکان کے اعتبار سے بھی ہے، رتبہ کے اعتبار سے بھی ہے۔ تینوں معنی کے اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہ وہ عظیم تشریح ہے جو حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا

محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نظیر کتاب ''تحذیر الناس'' میں بیان فرما کر ہر اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو ثابت فرما دیا ہے۔

بہرحال قرآن کریم کی نصوص، احادیث طیبہ متواترہ، اجماع امت سے یہ مفہوم ختم نبوت کا اپنی جگہ پر ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، نہ کوئی ظلی نبی آسکتا ہے نہ کوئی بروزی نبی آسکتا ہے، ختم نبوت کے اس مفہوم میں غلام احمد قادیانی نے تحریف کی ہے الحاد اور زندقہ سے کام لیا ہے، اس لیے غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے ملحد اور زندیق ہوں گے، کیونکہ یہ پہلے اسلام کا مدعی تھا اس اعتبار سے یہ مرتد بھی ہے، زندیق بھی ہے اور ملحد بھی۔

اب جو مجھے ان حضرات نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے یہ عرض کروں کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں کا کیا سلوک ہونا چاہیے تو ان کی اس شرعی حیثیت متعین ہونے کے بعد اس کا جو حکم ہے وہ آپ کی خدمت میں عرض کیے دیتا ہوں۔

پہلے تو آپ اس بات کو سمجھ لیجیے کہ جب یہ ملحد اور زندیق ہیں، مرتد بھی ہیں تو اسلام میں ان کی جو اصل سزا ہے وہ کیا ہے؟ امت مسلمہ کے مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی اسلامی سزا کو نافذ کریں۔ زندیق کی سزا کیا ہے؟ ملحد کی اور مرتد کی سزا اسلام نے کیا رکھی ہے؟

حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''من ارتد فاقتلوہ'' جو ارتداد اختیار کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔

زندیق کا حکم تمام فقہاء یہی لکھتے ہیں کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ تو اصل یہ کس کی ذمہ داری ہے، امت مسلمہ کے مسلمان حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے، ہم چونکہ دارالاسلام میں ہیں اس وقت پاکستان دارالاسلام ہے مسلمان یہاں پر حکمران ہیں ان مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ مرتد اور زندیق اور ملحد کی جو اصل سزا قرآن سے اور سنت سے

اور اجماع امت سے ثابت ہے اس کو یہ نافذ کریں ۔ یہ کس کی ذمہ داری ہے، حکومت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے، آپ کا کیا خیال ہے یہ سزا نافذ ہونی چاہیے کے نہیں؟ ہاتھ کھڑا کریں سب حضرات، ماشاء اللہ۔ تو میں آپ سب حضرات کے توسط سے حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ بھی ابھی پورے طور پر حل نہیں ہوا، ابھی ایک اور مرحلہ باقی ہے، کئی مراحل تو الحمد اللہ طے ہو چکے ہیں جیسے شعائر اسلام وغیرہ کو بھی یہ لوگ استعمال نہیں کر سکتے، الحمد اللہ یہ بھی مرحلہ طے ہو چکا۔

لیکن جو اصل مرحلہ جو فیصلہ کن مرحلہ ہے اور یہ وہ سزا ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد اور دور خلافت میں مرتد کو دے کر نافذ کی۔ اسی لیے تو مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات فرمائی تھی ان کا یہ جملہ بڑا قیمتی جملہ ہے امید ہے کہ آپ حضرات بھی اس کو غور سے سنیں گے، بڑی کام کی بات انہوں نے فرمائی۔ پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ جہاں مشکل پیش آجائے علماء، طلباء اکثر یہ جملہ کہا کرتے ہیں: "وقضية لاابا حسن لها" یہ کیا مشکل مسئلہ آگیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر ہوتے تو وہ اس کو حل فرما دیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بصیرت عطا فرمائی تھی، علم اور فہم عطا فرمایا تھا۔ تو اس لیے طلباء، علماء مشکل مقامات پر یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔

اس جملہ کو سامنے رکھتے ہوئے مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندوی فرماتے ہیں کہ: "وقضية لاابا حسن لها" تو اپنی جگہ پر، اب صورت حال یہ ہے کہ: "وردة لاابا بكر لها" کہ مرتد تو موجود ہیں لیکن سیدنا ابوبکر صدیق اس وقت موجود نہیں، اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسوہ اور قانون ملک میں نافذ ہوتا تو مرتد اور زندیق کی جو اصل سزا ہے اس کو نافذ کیا جاتا۔ اصل تو یہ ہے لیکن جب تک یہ سزا مسلمان حکمران نافذ نہ کریں اس وقت تک ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو دیکھ لیجیے قرآن پاک کی آیت میں نے پڑھی تھی: ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں کیا فرما رہے ہیں، صحیح آیات سے صحیح احادیث سے، میں تفصیل میں نہیں جارہا ہوں مختصراً اپنے محدود وقت کے اندر اندر بات کو ختم کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر یہ بات فرمارہے ہیں:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا اس سے بڑا اور کون ظالم ہوگا جس نے ارتداد، زندقہ اور الحاد اختیار کیا ان کے قریب جانا بھی مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔

قرآن پاک کی پوری سورۃ، سورۃ الممتحنہ کو اگر غور سے پڑھا جائے تو سمجھ آجاتا ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کو کیا ہدایات دے رہا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے، خاص طور پر یہ لوگ جو مرزائی ہیں، مرتد ہیں، زندیق ہیں۔

بہرحال ایمانی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تک ان کی اصل سزا نافذ نہ ہو مسلمان ان مرتد زندیق اور ملحدین سے ہر اعتبار سے الگ رہیں پورے طور پر ان سے بائیکاٹ رکھیں۔ آپ سب حضرات کو یہ بات تسلیم ہے کہ نہیں؟۔ جزاکم اللہ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان العبداذاوضع فی قبره وتولیٰ عنه اصحابه انه یسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فیقعدانه فیقولان ماکنت تقول فی هٰذاالرجل لمحمدفاما المؤمن فیوقل اشهدانه عبدالله ورسوله فیقال له انظرالٰی مقعدك من النار وقدابدلك الله به مقعداً من الجنة فیراهماجمیعاًواماالمنافق والکافرفیقال له ماکنت تقول فی هٰذاالرجل فیقول لاادری ماکنت اقول مایقول الناس فیقال له مادریت ولاتلیت ویضرب بمطارق من حدیدضربة فیصیح صیحةیسمعهامن یلیه غیرالثقلین(رواه البخاری ومسلم واللفظ للبخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اوراس کے ساتھی (یعنی اس کے جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چل دیتے ہیں (اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ ان کا یہ سوال رسول اللہ کے متعلق ہوتا ہے۔پس جو سچا مومن ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ (میں گواہی دیتا رہا ہوں اوراب بھی) گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اوراس کے رسول برحق ہیں (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی ذرا اس کو دیکھ لو،اب اللہ نے بجائے اس کے تمہارے لیے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) اس کو بھی دیکھ لو

(یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اس کے سامنے کردیے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ ﷺ کے متعلق) پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ اور اس کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟ پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا (اس کے جواب پر) اس کو کہا جائے گا کہ تونے نہ تو خود جانا اور نہ (جان کر ایمان لانے والوں کی) تونے پیروی کی اور لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ جن وانس کے علاوہ اس کے آس پاس کی ہر چیز اس کا چیخنا سنے گی۔

تشریح: پہلی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مرنے والے سے فرشتے تین سوال کرتے ہیں اور اس دوسری حدیث میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال چونکہ باقی دونوں سوالوں پر بھی حاوی ہے، اور اس کے جواب سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی معلوم ہوجاتا ہے اس لیے بعض حدیثوں میں صرف اسی ایک سوال کا ذکر کردیا جاتا ہے، قرآن وحدیث کا طریق بیان یہی ہے کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی صرف اس کے بعض اجزاء ہی بیان کردیے جاتے ہیں۔

یہ اصولی بات پہلے بھی ذکر کی گئی ہے اور اب پھر اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں تصنیفی مقالات نہیں ہیں بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں، اور کسی معلم ومربی کے مجلسی ارشادات میں ایسا ہونا کہ کبھی ایک بات کو پوری تفصیل سے بیان کیا جائے اور کبھی اس کے صرف بعض اجزاء کا ذکر کردیا جائے، بالکل صحیح اور فطری بات ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس دوسری حدیث میں اس سوال وجواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال وجواب صرف ان ہی مردوں سے مخصوص ہے جو قبروں میں

دفن ہوتے ہیں، دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا اور لوگ صرف اسی طریقے کو جانتے تھے، ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال و جواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے، خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے، اور جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے، یہ سب کچھ براہ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو وہ تبعاً اس سے متأثر ہوتا ہے خواب کی مثال اس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے اور خواب ہی کی مثال سے اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مردہ جانور دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال و جواب کی آواز اس کی لاش سے کوئی نہیں سنتا، اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے، پس یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گزر جاتا ہے، وہ بات چیت کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، لیکن اس کے برابر والوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

اس قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال و جواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لیے جب کوئی راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا، فرشتے اس میں جاتے کس طرح ہیں؟

یہ شبہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت و پوست سے بنی ہوئی مادی مخلوق سمجھتے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لیے دروازے کی یا کھڑکی کی ضرورت نہیں، ہماری نگاہیں یا آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیشوں میں سے نکل جاتی ہیں، اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے پتھروں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں، سبحانہ وتعالیٰ شانہ۔

مرسلہ : بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

فرمایا اگر کسی سے عقیدت اور محبت ہو تو اس کے ساتھ خواہ اختلاف ہو جائے مگر خلاف نہ ہونا چاہئے۔

فرمایا دین سے کامل مناسبت بزرگوں کی صحبت ہی سے ہوتی ہے، کتابوں سے نہیں ہوتی، اسی وجہ سے کسی نے کہا ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کن
سینہ را از نور حق گلزار کن

فرمایا میں حیدر آباد گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ بہت ہی تکلفات کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ تکلف کرتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے نہیں کرتا تو بدتہذیب سمجھا جاتا ہوں، میں نے ایک لطیفہ کیا یعنی اس کا اعلان کر دیا کہ ہم بھی مہذب ہیں مگر تہذیب کی قسمیں ہیں ایک یہاں کی تہذیب ہے مگر میں چونکہ اس سے ناواقف ہوں اس واسطے میں تھانہ بھون کی تہذیب برتوں گا، بس ہم اپنی اصلی حالت پر رہے حتی کہ حاضرین فرش پر بیٹھے رہے اور میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور کہہ دیا کہ تھانہ بھون کی یہی تہذیب ہے، ہم ہر حال میں مہذب ہی رہے۔

فرمایا اگر قرآن شریف میں موجودہ سیاست کو داخل کیا جائے تو پھر لازم آتا ہے قرآن مجید کو کفار نے جمہور علماء سے بلکہ صحابہ وتابعین سے زیادہ سمجھا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن کا سمجھنا عمل کی برکت سے ہوتا ہے اس لئے ان حضرات نے زیادہ سمجھا۔

اسی سلسلہ میں فرمایا میرے خیال میں ہے کہ قالب تو ہو نیا اور قلب ہو پرانا (یعنی عقائد اور طرز تو سلف کا ہو باقی تدبیرات بوجہ ضرورت خواہ وقتیہ ہوں مگر حدود کے اندر ہوں)

فرمایا حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جو غار ثور میں چھپے حالانکہ وہ بالکل مکہ مکرمہ کے قریب ہے اور ایسی حالت میں ظاہرا دور جا کر چھپنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس سے ایک تدبیری مسئلہ نکلا کہ مصلحت یہی ہے کیونکہ ایسے شخص کو عادۃً دور ہی ڈھونڈا کرتے ہیں۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ بزرگوں کے دیکھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا بظاہر تو اس کی کوئی سند نہیں، ہاں شاید اس حدیث سے کہتے ہوں کہ خیار عباد اللّٰہ الّذین اذا رأوا ذکر اللّٰہ، جب ان کے دیکھنے سے خدا تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی یاد عبادت ہے اور عبادت سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بزرگ اس کا سبب بنے، واسطہ ثواب کو سبب کی طرف منسوب کر دیا۔

فرمایا عراقی نے احادیث احیاء العلوم کی تخریج کی ہے، بجز بعض قلیل حدیثوں کے باقی سب کا مخرج بیان کیا ہے۔

فرمایا اہل تاریخ کے نزدیک آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال ہوئے ہیں اور بعض روایات کی بناء پر قیامت اب بالکل قریب ہے۔

فرمایا بزرگوں کی صحبت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اس سے ایسا علم حاصل ہو جاتا ہے جو عمل کا داعی ہو جاتا ہے، اور احوال و کیفیات پیش آنا صحبت کا اصل ثمرہ نہیں بلکہ احوال اور کیفیات تو اکثر کم عقلوں کو زیادہ پیش آتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ حالات اکثر یکسوئی سے پیدا ہوتے ہیں اور کم عقل میں یکسوئی زیادہ ہوتی ہے اور عقلمند کو ہر امر میں متعدد احتمالات پیدا ہوتے رہنے سے اس کا ذہن چاروں طرف دوڑتا رہتا ہے، وہ حالت ہوتی ہے فی کلّ واد یّھیمون، البتہ اگر قوی حال غالب آ جاوے تو وہ مستثنیٰ ہے۔

(الکلام الحسن)

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

مدارس دینیہ اور ان کا نظام تعلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی

کیں راہ کہ تو می روی بتر کستان است

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ ملک کے طول وعرض میں جو مدارس دینیہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں درس نظامی زیر تعلیم ہے ان مدارس کا مقصد کیا ہے؟

مدارس دینیہ کا مقصد

ان مدارس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ دین اسلام کی تعلیمات اور احکامات کا علم حاصل کیا جائے اور علوم اسلامیہ قرآن وسنت اور فقہ وتفسیر میں کامل مہارت اور دین میں تفقہ کا معیاری درجہ حاصل کیا جائے ،اس لئے ان مدارس میں ایسے ہی علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی ہے جو قرآن وسنت اور فقہ وتفسیر میں مہارت وکمال پیدا کرنے اور تفقہ کا معیاری درجہ حاصل کرنے کیلئے ضروری یا مفید ہیں۔

مسائل واحکام کے صرف معلوم کرنے کو ہی تفقہ نہیں کہا جاتا اور بہت سے معلومات جمع کرنے کا نام معیاری درجہ کا علم نہیں ہوتا بلکہ تفقہ اس سے آگے کی چیز ہے جو قرآن وسنت میں حذاقت وبصیرت حاصل ہو کر ایسی مہارت تامہ حاصل ہو کہ ہر ہر حکم اور مسئلہ کو دلائل صحیحہ اور اصول عربیت سے ثابت کیا جا سکے۔

مدارس دینیہ میں قرآن وسنت اور فقہ وتفسیر کے علاوہ جتنے بھی علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی ہے وہ انہی میں کمال ومہارت پیدا کرنے کیلئے دی جاتی ہے،اس لئے اصل علوم

مقصودہ یہی تین علوم قرار پائے اور ان کو علوم عالیہ کا درجہ حاصل ہے اور باقی علوم وفنون ان علوم عالیہ کے اسباب وآلات کے درجہ میں علوم آلیہ کہلاتے ہیں جو ان علوم عالیہ کے سمجھنے اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے ذریعہ اور وسیلہ کے طور پر درس نظامی میں شامل ہیں، مگر یہ سمجھ لینے کی بات ہے کہ ان فنون کو بطور فن کے داخل نصاب نہیں کیا گیا بلکہ علوم عالیہ کیلئے ممد ومعاون اور مفید ہونے کی حیثیت سے داخل کیا گیا ہے، اس لئے ان فنون کی اتنی ہی مقدار داخل نصاب کی گئی ہے جس قدر کہ ان علوم عالیہ کے فہم اور ان میں مہارت کیلئے درکار تھی۔

قرآن وسنت کے احکام کو صرف اس کے ترجمہ دیکھ یا پڑھ لینے سے پوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ ہر ہر لفظ مفردات اور مرکبات کے مفہوم کو اصول عربیت کے مطابق شرح صدر کے ساتھ اس طرح نہ سمجھ لیا جائے کہ اس پر وارد ہونے والے ہر قسم کے شکوک وشبہات کو اصول صحیحہ سے دلائل کے ساتھ دفع کر سکے، ایسی معیاری قابلیت حاصل کئے بغیر کسی مفہوم کے یقینی اور پختہ ہونے کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

بہرحال قرآن وحدیث کی زبان چونکہ عربی ہے اور ان کو سمجھنا اور وہ بھی استدلالی طریقہ سے سمجھنا ضروری ہے اس لئے علم لغت کے ساتھ علم صرف ونحو اور بلاغت کی تعلیم بھی درس نظامی میں ضروری قرار پائی۔

علم صرف سے مفرد لفظوں میں تبدیلی ہیئات اور صیغوں کے بدلنے سے جو مفہوم میں تفاوت اور معنی میں تبدیلی ہوتی ہے اس کا علم حاصل ہوگا اور ایسے قواعد حاصل ہوں گے جن سے ان تبدیلیوں کی وجوہات معلوم ہو کر استدلالی طور پر ثابت کیا جا سکے گا کہ لفظوں میں تبدیلی سے معنی میں تفاوت کیوں پیدا ہوا۔

علم نحو سے مرکبات یعنی ایک لفظ کے دوسرے لفظ سے تعلق کے سبب سے جو مفہوم میں تبدیلی ہوتی ہے اس تعلق کا علم ہوگا، علم نحو کے بغیر نہ تو استدلالی اور صحیح تعلق معلوم ہو سکے

گا اور نہ ہی غلط معنی کرنے والے کی غلطی دلائل کے ساتھ واضح کی جا سکے گی۔

فن بلاغت یعنی معانی و بدیع کے ذریعہ الفاظ کے مقدم ومؤخر ہونے اوران کی مختلف ہیئتوں اورشکلوں اوربعض الفاظ کے کم وبیش ہونے اورایک مضمون کومختلف تعبیروں کے ساتھ ادا کرنے اورطرح طرح کی تشبیہات واستعارات اورعجیب عجیب صنعتوں اور رعایتوں سے کلام کا حسن خصوصاً قرآن کریم کا اعجاز معلوم ہوتا ہے اس فن کے قواعد سے یہ حسن کلام دلیل کے ذریعہ اوراستدلالی طریقہ سے حاصل ہوگا۔

درس نظامی میں ان تینوں علوم کی تو مستقل کتابیں داخل ہیں اورلغت کی کتابوں کی بجائے ادب کی کتابوں سے اس کا کام لیا جاتا ہے کیونکہ لغت کا مستقل یاد کرنا اور رٹنا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے اورادب کی کتابوں میں عبارات کے ضمن میں لغات سہولت کے ساتھ یاد ہوجاتی ہیں۔

ان علوم کی مہارت کے بعد طالب علم ہرعربی کلام کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے پر قادر ہوجاتا ہے اورجس قدر مہارت زیادہ ہوگی اسی قدر کامل فہم اورتحقیقی واستدلالی فہم حاصل ہوگا۔ چونکہ ایک ایک لفظ پرحکم الٰہی اورقانون خداوندی کا مدار ہے اس لئے ایک ایک حرف اس طرح تحقیق واستدلال کے طریقہ پرحاصل کرنا ضروری ہے۔

مجتہدین کرام نے قرآن وحدیث کے مفرد الفاظ اورمرکب جملوں سے احکام ومسائل کوحاصل کرکے تمام ضروری کام انجام دے دیا ہے اوراس طرح علم فقہ اورعلم کلام مرتب ہوکرعلیحدہ علیحدہ دوناموں سے موسوم ہیں، اعمال سے متعلق احکام کا نام فقہ اورعقائد سے تعلق رکھنے والے مسائل کا نام عقائد ہے۔

علم فقہ میں جہاں جہاں سے اورجس جس طرح سے مسائل واحکام کوحاصل کیا گیا ہے ان ماخذوں اوراصول اخذ کا علم حاصل کرنے کے واسطے اصول فقہ کے فن کی بھی بہت ضرورت ہے۔

چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور آیات کی شرح وبیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرار دیا گیا ہے اس لئے احادیث کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اوران کے مراتب واقسام اوراسباب ترجیح وغیرہ کے لیے اصول حدیث کا فن ضروری ہوا تا کہ جواحادیث مسائل واحکام کی سند اور ماخذ بنتی ہیں ان کی بھی کیفیت معلوم ہوکر مزید اطمینان حاصل ہو، ورنہ ائمہ مجتہدین ان اصول سے کام لے کراور مسائل کوان سے استنباط کر کے یہ خدمت انجام دے چکے ہیں۔

بعض مسائل کلامیہ کا تعلق دلائل نقلیہ قرآن وحدیث وغیرہ کے علاوہ دلائل عقلیہ سے بھی ہوتا ہے اس لئے کہ غیر مذہب والوں کو بھی ان سے مخاطب کیا جاتا ہے اس لئے فقہ کا یہ جزء علیحدہ شمار ہوکر فقہ کی طرح ہی ضروری ہوا۔

اسی طرح میراث کے احکام بھی جو فقہ کا ہی ایک جزء ہے زیادہ اہتمام کی وجہ سے الگ فرائض کے نام سے موسوم ہوگیا ہے، پھراس کیلئے حساب کی ضرورت ہے اس لئے حساب کا فن بھی بقدر ضرورت ضروری ہوا۔

بعض فقہی احکام خصوصاً نماز، روزہ کیلئے اوقات اور جہت قبلہ کی تحقیق کرنا ضروری ہے اس لئے ہندسہ اور ہیئت کی ضرورت ہوتی ہے۔

تاریخ پر کوکوئی بات موقوف نہیں مگر اکابر اسلام کے حالات سے واقفیت میں خاصا ہے محبت کے زیادہ کرنے اورعمل کے اندر شوق بڑھانے کا اس لئے ایک دو کتاب تاریخ کی بھی مناسب سمجھی گئیں۔

اورگاہے گاہے مناظرہ کا اتفاق ہوجاتا ہے اس کے قواعد معلوم کرنے کیلئے ایک کتاب تجویز کردی گئی۔

اور چونکہ لغات عرب کا اثبات زبان سے ہوتا ہے اورزبان کے دوشعبے ہیں، ایک نثر دوسرا نظم، نثر کیلئے انشاءادب اورنظم کیلئے دیوان وغیرہ ادب کا جزء قرار پائے، مگرنظم میں

وزن ہوتا ہے اس کیلئے علم عروض وقافیہ کا کوئی رسالہ بھی مستحسن ہے تا کہ وزن کی وجہ سے ضبط حرکات وسکنات واضح ہوتا رہے۔

غرضیکہ صرف ونحو، ادب وبلاغت ،اصول فقہ، اصول حدیث یہاں تک کہ علم حساب اور ہیئت وغیرہ کے جوفنون بھی درس نظامی میں داخل ہیں وہ سب ان ہی علوم عالیہ قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کے سمجھنے سمجھانے کیلئے بطور آلہ اور معاون کے داخل ہیں اوران سب کا کسی نہ کسی طرح ان علوم عالیہ کے ساتھ ربط وتعلق ہے جیسا کہ آپ نے اوپر کی تفصیل سے واضح طور پر سمجھ لیا ہوگا۔

غرضیکہ دینی علوم کیلئے جس قدر فنون ضروری اور مفید تھے آپ دیکھیں گے کہ ان سب کو مروجہ درس نظامی میں شامل کیا ہوا ہے اور ہر علم وفن کی کئی کئی کتابیں زیر تعلیم ہیں پھران میں درجہ وار ایسی ترتیب قائم کی گئی ہے کہ طالب علم کے ذہن پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ ہر پہلے درجہ کے بعد دوسرے درجہ کی کتابوں کے سمجھنے کی استعداد وقابلیت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور طالب علم کا ذہن ودماغ ان کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہر علم وفن کی کتابوں میں پہلے ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں سادہ طریقہ پر صرف مسائل کا بیان کیا گیا ہے پھر ایسی کتابوں کا نمبر آتا ہے جن میں ان مسائل کے مختصر دلائل ہوں پھر مفصل دلائل کی کتابوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ پہلے درجوں میں آسان آسان کتابیں رکھی گئی ہیں اوپر کے درجوں میں دقیق اور مشکل کتابوں کا درس نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ اس نصاب میں رکھا گیا ہے۔

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذکورہ بالا نصاب دینی مقاصد کے حصول میں نہایت ہی کامیاب اور صدیوں کا تجربہ شدہ ہے اور کسی تبدیلی کا چنداں محتاج نہیں ہے اس کو پڑھ کر علم وفضل کے بڑے بڑے ماہتاب وآفتاب بنے جن سے ایک دنیا نے دینی نور وعرفان

کی شمعیں روشن کیں اوراپنے دلوں کومنوروروشن کیا،لیکن اس کے باوجودزمانہ کے بدلنے سے ذہنوں اوردماغوں کی صلاحیتوں اورقابلیتوں میں جوتفاوت ہوتا جارہاہےاورروز بروز قویٰ اوراعضائے انسانی میں جوانحطاط رونماہورہاہےاس کے پیش نظرہردوراور ہرزمانہ میں اس نصاب میں ماہرین تعلیم اورتجربہ کاراساتذہ کرام کے تجربوں کی روشنی میں ترمیم بھی ہوتی رہتی ہے،البتہ اس تبدیلی اورترمیم کا بنیادی نقطۂ نظر ہمیشہ یہی رہتاہے کہ علوم دینیہ کے افہام وتفہیم اورعلوم مقصودہ کی تحصیل میں سہولت وآسانی پیداہوکران کا حصول سہل اور قریب الفہم ہوجائے اور دینی مدارس کے ان مقاصد کوبہتر سے بہتر انداز میں حاصل کیا جاسکے جن کیلئے ان مدارس کا قیام عمل میں آیاہے،ایسی ترمیم کا نہ کسی نے پہلے انکار کیاہے نہ ہی اب اس پر کسی کواعتراض ہوسکتاہے۔

تعجب بلکہ حیرت کی بات تویہ ہے کہ اس قسم کی ترمیم کی جائے جس سے دینی مدارس کے اصل مقاصد کے حصول میں آسانی مقصودنہ ہوبلکہ دینی مقاصدکوپس پشت ڈال کردوسرے دنیوی امورکومقصود بنالیاجائے،اس طرح کی ترمیم نصاب میں ترمیم نہیں ہے بلکہ ان دینی مدارس کے مقصدکی تحریف اوران کی افادیت کی تبدیلی ہے،اوردینی مدارس کو دنیوی مدارس میں تبدیل کرنے کی ایسی تجویزہے کہ طالب دین طالب دنیابن جائیں گے، اس کوصرف وہی عناصر پسند اورقبول کرسکتے ہیں جودینی مدارس کے مقصدقیام اوران کی افادیت سے یاتوقطعاً ناواقف ہیں یاپھروہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کونعوذباللہ لغووفضول سمجھتے ہیں،ایسی تجویزیں اورسکیمیں اول ایسے ہی ذہن رکھنے والوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں،اوربعض ایسے اہل علم بھی ان کے ہمنواہوجاتے ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ تحصیل علم میں درس نظامی کی کتابوں کوسطحی انداز میں پڑھاہویاپھرپڑھنے کے بعددرس وتدریس کا مشغلہ ان کوحاصل نہیں ہوسکا۔

بعض لوگ اپنی سادہ لوحی سے ایسی تجویزوں کی حقیقت تک رسائی نہ رکھنے کی وجہ

سے بھی اس دام فریب میں آ جاتے ہیں کہ اس طرح دینی مدارس کے فضلاء کا مقام معاشرہ میں بلند ہوگا اوران کو بھی بڑی بڑی تنخواہیں ملیں گی وغیرہ وغیرہ۔

اول تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے اکابر علماء کرام ومشائخ عظام رحمہم اللہ نے اس برصغیر پاک وہند میں جن مشکلات اورنا مساعد حالات میں دینی مدارس قائم کئے تھے کیا اس زمانہ میں ان کیلئے سرکاری مدارس کی ملازمتوں اور بڑی بڑی تنخواہوں کے مواقع میسرنہیں تھے اور کیا ان کیلئے یہ بات کچھ مشکل تھی کہ اپنے نصاب میں سرکاری مدارس کے چند مضامین شامل کرکے اورمعمولی سی ترمیم کرکے بڑی بڑی تنخواہوں کے حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرلیتے ، پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے نان شبینہ پرقناعت کئے رکھی ان دینی مدارس میں رہ کرہی علوم دینیہ قرآن وسنت کی خدمت میں اپنی عمریں صرف فرمادیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء دین کا معاشرہ میں بڑا مقام صرف بڑی تنخواہوں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کا اصل زیورعلم دین کے ساتھ اس پرعمل اورتقویٰ وقناعت ہے جن سے مزین ہوکرآ رائش ظاہراورجبہ وقبا کے بغیرہی وہ خداداد حسن ان کو حاصل ہوتا ہے کہ معاشرہ کی نگاہ میں ان سے بڑھ کرکسی وزیروامیر کا مقام نہیں ہوتا۔

دل فریباں نباتی ہمہ زیور بستند
دلبر ما است باحسن خداداد آمد

اورگویا یہ حضرات بزبان حال یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں۔

اے دل بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر وگنج بصد حشمت قاروں باشی

اب بھی تجربہ کرلیا جائے کہ جن اہل علم نے دنیاوالوں کی نقالی اختیار کرلی اورفیشن پرستی کی مسموم فضا سے متأثر ہوگئے ان کومعاشرہ میں نہ صحیح مقام حاصل رہااورنہ ان پراعتماد کا وہ حال باقی رہا جوتقویٰ شعاراورمجسمہ اخلاص وعمل ان اہل علم کوحاصل ہے جواپنی پرانی سادہ

وضع اور بزرگان اسلاف کے طور طریق پر زندگی گزار رہے ہیں۔

پھر غور طلب بات یہ ہے کہ دینی مدارس اور اہل مدارس اگر اپنی سادہ اور خاص ثقہ وضع قطع کو ترک کر کے دوسروں کی نقالی اختیار کرنے لگیں گے تو پھر وہ علماء کا مقام کہاں بلند ہوا، اور ایسے علماء کیا علماء کہلانے کے مستحق رہیں گے؟ تو یہ علماء کے وقار اور معاشرہ میں اعلیٰ مقام کا مسئلہ ہوا یا علماء کو غیر علماء کے زمرہ میں داخل کرنا ہوا، اور جس کام کیلئے یہ دینی مدارس علماء کو تیار کرتے ہیں کیا پھر ان میں اس کام کی اہلیت باقی رہ جائے گی؟

اور کیا اس وقت ان فضلاء کی حالت اس شاہی باز کے مانند نہیں قرار پائے گی جو ناعاقبت اندیشی سے بجائے شاہی محل کے ایک بڑھیا کے مکان پر جا پڑا تھا اور اس کے حال سے ناواقف بڑھیا نے اپنی طرف سے اس کی خیر خواہی کا حق اس طرح ادا کیا تھا کہ اس کے وہ بازو اور چونچ کاٹ ڈالے تھے جن سے وہ اپنا شکار کرتا تھا اور کمال دکھلاتا تھا، جب اس کا حلیہ بالکل تبدیل ہو گیا اور گویا وہ بے دست و پا ہو کر بے کار ہو گیا تو ھذا جزاء من اوقع نفسہ عند غیر اھلہ کی عبرت آموز مثال کی تصویر بن گیا۔

اسی طرح اس خیر خواہی کے نتیجہ میں ہمارے دینی مدارس کے فضلاء جب بے بال و پر اپنے اصلی کمال سے خالی رہ جائیں گے اور اپنے کار منصبی کے بجالانے کی صلاحیت سے تہی دامن ہو جائیں گے تو پھر عقلاء کے نزدیک ملامت کے قابل قرار پائیں گے مگر اس وقت پشیمانی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟۔

لیکن مثال مذکور میں تو وہ باز اپنے مجازی مربی اور محسن کے انعامات کی بے قدری کر کے اپنی نادانی سے ناواقف حال بڑھیا کے گھر پر خود جا پڑا تھا اس لئے اس کو ناقدر شناسی کی یہ سزا بر وقت و برمحل تھی مگر اہل مدارس دینیہ سے تو یہ توقع نہیں کی جانی چاہئے کہ وہ حضرات اپنے حقیقی مربی اور محسن کی احسان فراموشی کر کے اس کے احسانات کی بے قدری کریں گے اور کارساز حقیقی کی بجائے کسی دوسرے پر اپنے کاروبار کی انجام دہی میں تکیہ

کریں گے ع ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

دینی مدارس کا اصل سرمایہ توکل علی اللہ ہے اورعلماء دین کا اصل مقام اوران کا وقار اخلاص عمل اورتقویٰ کے ساتھ متصف ہونے اوردین میں تصلب اور پختہ روی کے ساتھ وابستہ ہے، ظاہری وضع قطع اورٹیپ ٹاپ سے مصنوعی طریقہ سے علماء کا مقام بلندنہیں کیاجاسکتا بلکہ اپنے ظاہرکواعمال صالحہ اوراپنے باطن کواخلاق حسنہ سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے بعدہی ان کواس کاصحیح مقام نصیب ہوتاہے اورجن کویہ دولت تخلق باخلاق اللہ کی میسرآگئی ان کوبفحوائے ’’بہ نقاش احتیاجے نیست دیوارگلستاں را‘‘ کسی ظاہری نقش ونگارکی قطعاً حاجت نہیں رہتی وہ اپنی بوسیدہ پھٹی پرانی گدڑیوں میں ہی اپنے باطنی کمالات اورتعلق مع اللہ کی دولت کولئے ہوئے فرحاں شاداں بزبان حال کہتے ہیں۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم
مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

اب جویہ کہاجارہاہے کہ دینی مدارس کے نصاب کوجدیدتقاضوں کے مطابق بنایاجاناچاہئے توغورطلب بات یہ ہے کہ ایسا کہنے والوں کاجدیدتقاضوں سے مقصودکیاہے یعنی وہ جدیدتقاضہ مال ومتاع،سرکاری ملازمتوں اوردنیوی ترقی کےحصول کےطالب ہیں یاوہ دینی مقاصد کےحصول اوران میں ترقی کامطالبہ کررہے ہیں،اگردنیاکی عیش وآرام اوردنیوی سامان راحت کےحصول کےمتقاضی ہیں توان کے لیے یہ دینی مدارس موضوع نہیں ہیں ان کی تحصیل کیلئے ملک میں دوسرے ذرائع کےعلاوہ اسکولوں اورکالجوں کی بھی کمی نہیں ہے ایسے اداروں کیلئے حکومت کی طرف سے ہرسال کروڑوں روپیہ قومی خزانہ میں مختص کیاجاتاہے، جوشخص چاہے اس میدان میں سعی وکوشش کرکے اپنی دنیوی آرام وراحت کاسامان کماسکتاہے لیکن ایسے شخص کیلئے دینی مدارس موزوں جگہ نہیں ہے ان مدارس کی خدمت تووہی شخص کرسکتاہے جس نے اپنی زندگی کودین کی خدمت کیلئے وقف

کر دیا ہواور وہ بزرگان اسلاف کے طریقہ پر گامزن ہوکر سادہ طرز زندگی اختیار کر لے اور قوت لایموت پر قناعت کرسکتا ہو۔البتہ دینی مقاصد کے حصول اوران میں سہولت کیلئے نصاب میں کسی قدر تبدیلی کی جائے تو یہ مسئلہ ضرور قابل غور ہوسکتا ہے اور درس وتدریس میں مشغول تجربہ کار ماہرین علماء کرام کے مشورہ سے نصاب کو دینی جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جاسکتا ہے۔

جدید عربی زبان کا سیکھنا قرآن وسنت وغیرہ علوم مقصودہ کے حاصل کرنے کیلئے ضروری تو کیا ہوتی مفید بھی نہیں بلکہ الٹا مضراور قدیم عربی قرآن وسنت کی زبان سے بعد پیدا کرنے کے مترادف ہے اوراس میں وقت ومحنت کا صرف کرنا دماغ وذہن پر غیرضروری بوجھ ڈالنااوراضاعت وقت ہے۔

یہی حال عربی تحریر وتقریر کا ہے کہ تقریر وتحریر کا تعلق مشق سے ہے ان مدارس کے موجودہ نصاب سے بھی فارغ شدہ طلبہ میں بہت سے طلبہ عربی تحریر وتقریر میں مہارت رکھنے والے نکل رہے ہیں اوراپنے مافی الضمیر کوعربی میں ادا کرنے پر ایسی قدرت رکھتے ہیں کہ بڑی بڑی تصانیف ایسی شستہ اور سلیس عربی میں لکھی ہیں کہ ان کی زبان دانی پر جدید طرز کے بڑے بڑے ماہر عربیت بھی عش عش کر اٹھے اور بڑے بڑے فضلاء عرب ومصران کی تحقیقات کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

قریب زمانہ کے فضلاء میں درس نظامی کے فارغ عربی کتابوں کے مصنفین میں سے حضرت مولانا محمد انور شاہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ بلند پایہ مصنفین کے علاوہ سینکڑوں علماء اور طلباء تحریر وتقریر کے ماہر مل سکتے ہیں۔پھر یہ کہ علوم قرآن وسنت میں مہارت عربی گوئی سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ عربی فہمی اور زبان دانی سے اس کا تعلق ہے اور یہ بات اس سے بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہے۔

سائنس اور فلسفہ جدیدہ

سائنس میں مادیات کی تحلیل وترکیب کا عمل سکھلایا جاتا ہے دین کی کسی بات کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں ہے اسی طرح فلسفہ جدیدہ بھی علوم دینیہ کا موقوف علیہ نہیں ہے لیکن فلسفہ قدیم میں تو اصول کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے اس لئے وہ قابل توجہ ہے اور جدید فلسفہ میں فروعی مسائل سے بحث کی جاتی ہے۔

یہ راستہ بہت خطرناک ہے اس لئے کہ غیر مذاہب کے لوگوں کے مقابلہ میں اصول مذہب کو عقلی دلائل سے ثابت کیا جانا چاہئے اس کے بعد فروعی مسائل تابع ہوکر خودبخود ثابت ہوجائیں گے ان کے ثابت کرنے کیلئے عقلی دلائل کو ضروری سمجھنے سے تو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حکم الٰہی کو ہلکا سمجھا جارہا ہے اوراس کو بجائے حکم کے ایک فلسفی بات سمجھ کر تسلیم کیا جارہا ہے اس سے حکم الٰہی کی وقعت کم ہوجانے کا خطرہ بھی ہے کہ اگر وہ حکمت وفلسفہ جس پر حکم کی بنیاد سمجھی گئی ہے اس حکم کے بغیر کسی دوسری جگہ پایا جائے گا تو اس حکم کو چھوڑنے کا خیال پیدا ہوسکتا ہے۔

تکمیلی درجہ کی ضرورت

البتہ دینی بڑے مدارس مثلاً جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور، دارالعلوم کراچی اسی طرح کے دوتین مدارس میں فارغ التحصیل طلبہ کیلئے ایک مستقل درجہ تکمیل کا انتظام کیا جاسکتا ہے اوراس میں ایسا نصاب تجویز کیا جاسکتا ہے جس سے ایسے علماء تیار ہوسکیں جو دوسرے ممالک عربی غیرعربی میں تبلیغ کے فرائض انجام دے سکیں، ان کو عربی زبان اورعربی تحریر وتقریر کی مشق بھی کرائی جائے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے شکوک وشبہات کے حل کرنے کیلئے فلسفہ جدیدہ کی تعلیم بھی پختہ اہل علم اور متدین علماء کی نگرانی میں دی جائے تاکہ وہ اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں ورنہ تو قوی خطرہ ہے کہ غیر عالم دین اساتذہ سے فلسفہ جدیدہ کو حاصل کرکے وہ خود ہی اس کے دام میں نہ پھنس جائیں۔

ضمیمہ

دعاء ابراہیمی میں جن امور کا ذکر فرائض نبوت کے طور پر کیا گیا ہے یعنی تلاوت، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت (جن کی بقدر ضرورت تفصیل اوپر گزر چکی ہے) وہی فرائض ورثۃ الانبیاء کے ہونے ضروری ہیں۔ مدارس دینیہ کا مقصد صرف اورصرف رجال آخرت تیار کرنا ہے جوعلوم نبوت کے حامل بن کران کی ترویج واشاعت کریں اورداعی الی الحق ہوں، دنیاان کا مطمح نظر نہ ہو،محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ان کا مقصد وحید ہو، باطل طاقتوں کا حسب استطاعت تقریراورتحریر سے مقابلہ، بدعات ومحدثات سے دین کی حفاظت اورآئے دن نئے فتنوں اورملت اسلامیہ پرطاغوتی حملوں سے ملت کومحفوظ رکھنا،بس یہ دینی مدارس کا اصل مقصود ہے۔

مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کی پیوندکاری

آج کل مدارس دینیہ میں علوم عصریہ کی پیوندکاری پرخاصا زوردیاجارہاہے حالانکہ امت کی دینی رہبری اوراصلاح کیلئے علوم دینیہ میں ٹھوس استعداد کے علماء کے تیار کرنے کی ضرورت ہے اوریہ ایک حقیقت ہے کہ دوسرے علوم میں اشتغال سے اصل مقصد کا فقدان یاکم ازکم اس میں اختلال ضرورآئے گا تجربہ اس کا شاہد ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ ملیہ دہلی وغیرہ اس کی قدیم مثالیں سامنے ہیں اوراب پاکستان میں جامعہ اسلامیہ بہاولپوروغیرہ تازہ مثال ہے علوم دینیہ کی قدیم درسگاہوں دارالعلوم (دیوبند) مظاہرالعلوم (سہارنپور) وغیرہ سے جس قدر بلند پایہ معیاری علماء تیارہوئے اورانہوں نے جس قدرامت کی رہنمائی کا کام انجام دیااس کی مثال دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی نادراورکمیاب ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آرہاہے کہ جولوگ علوم دینیہ کے ساتھ دنیوی علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ بعد چندے ان ہی علوم کے ہورہتے ہیں ۔کیونکہ

نوکریوں اور بڑے بڑے عہدوں کا لالچ ان کیلئے جاذب ہوتا ہے حب مال اورحب جاہ کا مرض عام طور پر طبائع میں موجود ہی ہوتا ہے اعمال تو درکنار خیالات وافکار تک میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اورکم ازکم یہ ذہنی فساد تو آ ہی جاتا ہے کہ عصری علوم کو اولیت اور علوم دینیہ کو ثانوی حیثیت دی جانے لگتی ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات میں فکر آخرت کو اولی حیثیت اور فکر دنیا کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے، قرآن کریم کے واضح اعلانات اوراحادیث طیبہ کی ہدایات اس پر شاہد ہیں، اس اعتبار سے علوم دینیہ کو مسلمانوں کی زندگی میں اول حیثیت حاصل ہونی چاہئے اور جو علوم ذریعہ معاش ہیں انہیں بہرحال ثانوی درجہ پر رکھنا چاہئے اسلام جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے کا مخالف نہیں ہے البتہ اس کو مقصود زندگی بنانے کا مخالف ہے۔

علماء پر الزام

علماء پر یہ بہت بڑا الزام ہے کہ وہ علوم عصریہ یعنی ذریعہ معاش کے مخالف ہیں، کوئی عالم اس کا مخالف نہیں البتہ اس کو مقصود بنا کر علوم دینیہ کو پس پشت ڈالنے یا ثانوی حیثیت دینے کے مخالف ہیں۔

شریعت کی نگاہ میں علم کی تعریف

شریعت اسلامی کی نظر میں علم ان معلومات کا نام ہے جس کے ذریعہ آخرت کی کامیابی اور اللہ رب العزۃ کی رضامندی حاصل ہو اور جس کا ثمرہ صاحب علم پر خشیت خداوندی کی صورت میں ظاہر ہو چنانچہ سورۂ زمر آیت ۳۸ میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔

علم کا اطلاق اصطلاحاً اور حقیقۃً صرف ان علوم پر کیا جاسکتا ہے جن کی وراثت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، اسی وجہ سے علماء کو وارثین انبیاء علیہم السلام کا خطاب دیا گیا ہے (مشکوۃ) نصوص قرآن وسنت میں جہاں بھی

علم سیکھنے سکھلانے کی ترغیب آتی ہے اس سے علم دین ہی مراد ہے جو آخرت کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر اس کی فرضیت کا حکم دیا گیا ہے اور تحصیل کی تاکید کی گئی ہے۔

ذریعہ معاش

علم دین کے علاوہ جتنے بھی علوم کہلائے جاتے ہیں وہ درحقیقت علم نہیں بلکہ ہنر اور ذریعہ معاش ہیں یعنی ان کا فائدہ صرف دنیا تک محدود ہے آخرت میں وہ علوم علم ہونے کے اعتبار سے قطعاً کسی کام نہیں آئیں گے۔ شریعت کی نگاہ میں جس طرح تجارت، صنعت وحرفت، لوہاری، بڑھئی وغیرہ کا کام کرنا دنیا کمانے اور کسب معاش کے ذرائع ہیں بعینہ یہی حیثیت ان علوم عصریہ کی بھی ہے جو صرف دنیا کمانے کیلئے پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں، اس لئے انہیں علم نہیں ذریعہ معاش اور ہنر کہنا چاہئے، ان پر حقیقۃً علم کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، علم تو وہی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ علم ہونے کی حیثیت سے کام آئے اور یہ صفت قرآن وحدیث اور اس سے متعلقہ علوم ہی میں پائی جاتی ہے البتہ اگر کسی علم کو قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے ذریعہ بنایا جائے یا اخروی نفع کیلئے اس کی تحصیل کا ارادہ کیا جائے تو اسے بھی حقیقی علم کے ساتھ ملحق سمجھا جا سکتا ہے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ماہ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

مدارس کا تناسب

ہمارے دانشوروں اور صحافیوں کا محبوب مشغلہ دینی مدارس میں جدید علوم داخل کرنے کیلئے شور مچانا ہے حالانکہ دینی مدارس کی تعداد عصری اسکولوں کے مقابلہ میں حد درجہ کم ہے بمشکل ایک فیصدی دینی مداس میں پڑھنے آتا ہوگا، جبکہ اسکولوں کالجوں میں تقریباً پچیس فیصدی پڑھنے جاتا ہے، تعجب کی بات ہے کہ اسکولوں میں جانے والی اکثریت کے دین وایمان کی فکر کرنے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بجائے جو ایک

فیصد آخرت کی فکر کرتا ہے اس کا تشخص مٹانے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔

ع بریں عقل ودانش بباید گریست

مولویوں کے معاش کی فکر

ہمارے دانشوروں اور صحافیوں کو مولویوں کے معاش کی بڑی فکر رہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ''سارے مدارس کا درد ہمارے دل میں ہے'' اور معاشرہ میں ان کے اعزاز اور بلندی مقام کی خواہش کا بڑھ چڑھ کر تذکرہ کیا جاتا ہے حالانکہ علوم نبوت کے حاملین بڑے سکون واطمینان کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول ہیں اور بقدر ضرورت معاش کا انتظام بھی اپنی مدد آپ کے اصول پر ہورہا ہے نہ اس میں کسی سفارش کی ضرورت پیش آتی ہے نہ رشوت کی لعنت سے واسطہ پڑتا ہے اور الحمدللہ معاشرہ میں ان حقانی علماء کو خداداد حقیقی عزت ومقبولیت کا وہ مقام حاصل ہے جو کسی بڑے سے بڑے مصنوعی عزت والے عہدہ دار کو ہرگز نصیب نہیں ہوسکتا، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مخلص علماء دین کی مسلمانوں کے دلوں میں عزت اوران کے اثر ورسوخ کو مٹانے کیلئے ان کے خلاف یہ تحریک چلائی جارہی ہے اوران کو اعلیٰ مقصد خدمت دین سے ہٹا کر دنیا کی طرف مائل کیا جارہا ہے تاکہ دین کی وجہ سے جن مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عزت ومحبت ہے وہ نہ رہے اوران کا بھی ان مسٹروں کی صف میں شمار ہونے لگے۔

معاشرے کا جائزہ

معاشرہ کا جائزہ لے کر دیکھئے کہ اتنے ''مولوی'' آپ کو روزگار کی تلاش میں گھومتے ہوئے نہیں ملیں گے جتنے گریجویٹ بے روزگار قدم قدم پر ملیں گے کہ ان کا شمار مشکل ہوجائے گا اورایم اے، بی اے کو ٹیچری اوران کی تعلیم کے مطابق نوکری تو کیا ملتی وہ چپڑاسی کی نوکری کیلئے بھی ترس رہے ہیں بلکہ مظاہروں اور جلوسوں کے نکالنے پر مجبور

ہور ہے ہیں حالانکہ اس طبقہ کی تعلیم کا مقصد ہی نوکریوں کا حاصل کرنا اور دنیا کمانا ہے اب جب نوکری بھی نہ ملی تو پھران کے حسب حال کسی کا یہی قول ہوگا

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

جبکہ علماء علوم دینیہ روزگار کیلئے نہیں پڑھتے اگران کو نوکری نہ ملے توان کیلئے یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

ملّت پر بڑا احسان

مسلمانوں پر قومی حیثیت سے جتنا بڑا احسان مدارس دینیہ کا ہے اور تحریک مدارس نے ملت اسلامیہ کو تحفظ کا جو مقام دیا ہے وہ کسی اور تحریک کے حصہ میں نہیں آیا۔ یہ مدارس اگرچہ بظاہر محض علوم اسلامیہ کے محافظ ہیں لیکن درحقیقت تحفظ شریعت کے قلعے اور حفاظت اسلام کی محفوظ چھاؤنیاں ہیں آج برصغیر میں دینی اور اسلامی تبلیغی اور اصلاحی جتنی بھی سرگرمیاں جاری ہیں بظاہر اسباب وہ سب انہیں دینی اداروں کی خاموش خدمات کی رہین منت اور انہی کے ثمرات ہیں اس ملک میں مسلمانوں کا وجود و بقا اور اسلامی تعلیمات واقدار کا تحفظ انہیں مدارس سے وابستہ ہے بلکہ دنیا کے جس خطہ میں بھی بنیادی دینی تعلیم کے ادارے ہوں گے وہاں مخالف تیز وتند ہواؤں کے باوجود اسلامی زندگی کے واضح نقوش باقی رہیں گے اور مسلمانوں میں اسلامی شعور زندہ اور تابندہ رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، وماذٰلك علی اللّٰہ بعزیز۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دینی خدمات کی انجام دہی کی توفیق بخشیں اور ہمارے لئے دینی مدارس کے اصل مقصود فکر آخرت کے حامل افراد کی تیاری کو ملحوظ خاطر رکھنا آسان فرماویں، آمین، برحمتك یا ارحم الراحمین۔

۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ

چند اہم تجاویز

بگرامی خدمت جناب اراکین قومی نصاب کمیٹی برائے دینی مدارس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی اور سرکاری مدارس کے نصاب کے ساتھ اس کی ہم آہنگی کا مسئلہ بڑا غور طلب اور اہم مسئلہ ہے، اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں جن کا اس مسئلہ کے طے کرتے وقت پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔

(۱) دینی مدارس کا اصل مقصد قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ دینی علوم میں کامل مہارت کا پیدا کرنا اور علوم دین میں تفقہ کا درجہ حاصل کرنا ہے اور اس معیاری علم کے حاصل کرنے کیلئے بڑی محنت اور یکسوئی کی ضرورت ہے، اس لئے ماہرین تعلیم اور تجربہ کار علماء دین نے طلباء علوم دین کیلئے علم کے اکتساب وتحصیل کے زمانہ میں کسی ایسی چیز کی طرف توجہ کرنے کو سخت مضرت رساں سمجھا ہے جس سے طالب علم کی توجہ طلب علم سے ہٹ کر دوسری کسی جانب لگ جانے کا احتمال اور اکتساب علم میں خلل انداز ہونے کا اندیشہ ہو۔

(۲) عقل اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک وقت میں دو کاموں کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاسکتی جب دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم وفنون بھی حاصل کئے جائیں گے تو توجہ تقسیم ہو کر یکسوئی فوت ہو جائے گی اس طرح علوم دینیہ میں کمال اور مہارت پیدا کرنے کی طرف پوری دلچسپی باقی نہیں رہ سکتی اور دینی مدارس کے قیام کا مذکورہ اصل مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۳) عالم دین کیلئے منشی فاضل، مولوی فاضل کے امتحان کو بھی ماہرین علوم دینیہ

نے اسی لئے پسند نہیں کیا تھا کہ پھر وہ اسکولوں کی تلاش اور وہاں کے محدود نصاب کی تعلیم میں مشغول ہوکر اپنی علمی استعداد اور اس میں روزافزوں ترقی اور اضافہ سے محروم ہوجائے گا، اس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ دینی مدارس کے ذی استعداد فضلاء نے سرکاری امتحان دے کر اپنی تمام عمر سرکاری اسکولوں میں گزاردی اور اس طرح اپنی علمی استعداد اور قابلیت کو وہاں کے محدود نصاب میں گم کردیا اگر وہ دینی مدارس میں کام کرتے تو یقیناً ان کی استعداد و قابلیت کہیں زیادہ ترقی کر جاتی اس مشاہدہ کے خلاف کوئی شاذ و نادر ہی مثال مل سکے گی۔

(۴) ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب درس نظامی کے نام سے رائج ہے اس میں قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ کی کتابیں ہی اصل مقصود ہیں اور باقی دوسرے علوم وفنون کی کتابیں ان علوم مقصودہ کی معاون اور مددگار ہیں اگرچہ بعض کو سطحی نظر سے بعض کتابوں کا علوم دینیہ سے تعلق ظاہر نہیں ہوتا، غور سے دیکھا جائے تو درس نظامی کی سب کتابوں کو ان علوم مقصودہ سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق حاصل ہے۔

(۵) یہ نصاب برسہابرس سے دینی مدارس میں رائج ہے اس کی افادیت وجامعیت کا عرصہ دراز سے تجربہ ہورہا ہے اور دینی مقاصد کے حصول میں یہ نصاب بے حد وحساب مفید ثابت ہورہا ہے، مدارس دینیہ کے مقاصد کے حصول اور دینی علوم میں مہارت پیدا کرنے کیلئے یہ نصاب اپنی نظیر نہیں رکھتا اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اس کا ثانی اور بدل کوئی نہیں ہوسکتا، گزشتہ صدیوں کے وہ تمام علماء وصلحاء جنہوں نے اس نصاب کے ذریعہ اپنی علمی تکمیل کی اور پھر تمام عمر اسی کی خدمت میں گزاردی اس نصاب کے کامیاب اور مفید مقصد ہونے کی وہ واقعاتی اور تجرباتی دلیل ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

ماضی قریب میں بھی اس نصاب سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، حکیم الامت مولانا

اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ کے چند اسماء گرامی نمونہ مشتے از خروارے کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں، متذکرہ علماء کرام کے معیاری علم وفضل کی نظیر نہ یہ کہ صرف پاک وہند میں دستیاب نہیں ہوسکتی بلکہ پوری دنیاء اسلام میں بھی بہت ہی کمیاب ہے، اس درجہ کے علم وفضل کا حاصل ہونا اسی نصاب کا مرہون منت ہے جس کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ہے اور جو صدیوں سے آزمایا ہوا اور تجربہ شدہ ہے۔

(٦) ہمارے سامنے ایسے دینی مدارس عربیہ کی مثالیں موجود ہیں جن میں دینی مقاصد کے حصول کے ساتھ دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے درس نظامی میں ترمیم کر کے زمانہ حاضرہ کی بعض ضروریات کی تحصیل کیلئے بعض نئے فنون کی کتابیں داخل نصاب کردی گئی ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیاوی مقاصد غالب آ گئے اور دینی مقاصد مغلوب ہوکر رہ گئے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ایسے نصاب کے ذریعہ دینی علوم کے ماہر معیاری ایسے علماء تیار نہیں ہو سکے جس طرح سے درس نظامی سے تیار ہوتے رہے ہیں۔

(٧) ان مفاسد اور مضرتوں کے علاوہ اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہنی بہت ضروری ہے کہ یہ مدارس دینی ہیں اور ان کا قیام خالصۃً دینی مقاصد کے حصول کیلئے عمل میں لایا گیا ہے، اس لئے ان کے نصاب کو ایسے علوم وفنون سے قطعی طور پر محفوظ رکھنا ضروری ہے جن سے دینی مقاصد کے حصول میں کمی اور خلل کا خطرہ ہو اور دنیاوی فنون کے داخل نصاب ہونے سے یہ قوی خطرہ ہے کہ دینی تعلیم میں نقصان واقع ہوگا اس لئے کہ دینی ترقی کی بجائے دنیوی ترقی کی طرف عام طور پر زیادہ میلان ہوتا جا رہا ہے اس طرح یہ درس گاہیں بھی دینی تعلیم کی بجائے دنیوی تعلیم گاہوں میں تبدیل ہوکر رہ جائیں گی اور طالب دین طالب دنیا بن جائیں گے پھر جو حشر کالجوں میں دینیات کا ہو رہا ہے وہ ان مدارس میں ہونے لگے گا۔

(۸) جس طرح ملک میں ماہرین تعلیم کے مشوروں کے مطابق تعلیم کے مختلف شعبوں ڈاکٹری انجینئر نگ اور قانون وغیرہ کی تعلیم کیلئے الگ الگ کالج قائم کئے ہوئے ہیں اور سب شعبوں کیلئے تعلیم کا یکجا انتظام ممکن نہیں اور نہ ہی ہر شخص کیلئے ہر شعبہ میں تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے بلکہ جس شخص کو جس شعبہ کے فن کے ساتھ طبعی مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے وہ اپنے پسند کے کالج میں داخلہ لے لیتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ملک وملت کی بقاء اور اسلام واسلامیات کے تحفظ کیلئے دینی مدارس کا تشخص اور ان کا موجودہ علیحدہ نظام اور طریق تعلیم مع اپنے مخصوص نصاب کے قائم رہنا بہت ضروری ہے تاکہ ان میں قانون اسلام کے ایسے ماہرین پیدا ہوتے رہیں جو تمام عمر یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہ کر دین کے شعبہ میں کام کرتے رہیں اور اپنی خدمات کیلئے اسی دین کے شعبے کو مخصوص کر لیں۔ فقط

حضرت مولانا زاہدالراشدی مدظلہم

افتاء اور تحقیق کا ایک قابل توجہ پہلو

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے شعبہ تخصص فی الفقہ میں شریک طلبہ سے خطاب

مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ زاہدالراشدی دامت برکاتہم ۸رفروری ۲۰۱۵ء کو جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں تشریف لائے۔ صدر جامعہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم نے آپ سے ملاقات پر خوشی کا اظہار فرمایا، جامعہ کے اساتذہ وطلبہ بھی آپ کی تشریف آوری سے مسرور ہوئے۔

اس موقع پر جامعہ کے شعبہ تخصص فی الفقہ میں شریک طلبہ سے حضرت علامہ زاہدالراشدی صاحب مدظلہم نے جو فکرانگیز خطاب فرمایا وہ قارئین ماہنامہ ''الحقانیہ'' کے لیے بشکریہ ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ پیش خدمت ہے۔(ادارہ)

بعدالحمدوالصلاۃ:

آج یہاں ایک نکاح کے سلسلہ میں حاضری ہوئی ہے، واہنڈو ضلع گوجرنوالہ کے حافظ محمد شفیق ہمارے عزیز شاگرد ہیں، جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل ہیں اورالشریعہ اکادمی میں ہمارے ساتھ شریک کار رہے ہیں، ان کے نکاح کے لیے ساہیوال آنا ہوا تو جامعہ حقانیہ میں حاضری ضروری تھی، یہ ہمارے بزرگوں کی جگہ ہے، حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میری نیازمندی رہی ہے اور برادرم مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی ہمارے محترم دوست اور بھائی ہیں، ان کا ارشاد ہے کہ تخصص فی الافتاء کے شرکاء اور دیگر طلبہ کے ساتھ کچھ گفتگو کروں، تعمیل حکم میں چند باتیں عرض

کررہا ہوں۔

میرا ایک عرصہ سے معمول ہے کہ کوئی شاگرد افتاء میں تخصص کے لیے مشورہ کرتا ہے تو اسے جامعہ دارالعلوم کراچی میں جانے کے مشورہ دیتا ہوں، وہاں رسائی نہ ہوسکے تو اس مشورہ میں میری دوسری ترجیح جامعہ حقانیہ ساہیوال ہوتا ہے اور متعدد فضلاء اس حوالہ سے یہاں حاضر ہوکر استفادہ کرچکے ہیں۔

آپ دوستوں سے افتاء اور تحقیق کے بارے میں صرف ایک پہلو پر عرض کروں گا کہ عام طور پر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے، یا فتویٰ طلب کیا جاتا ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسئلہ کیا ہے اور اس کا مالہ وماعلیہ کیا ہے؟ اس مسئلہ کے ضروری پہلوؤں کو دیکھ کر فتویٰ صادر کردیا جاتا ہے، یہ انتہائی ضروری بات ہے کہ جس مسئلہ کے بارے میں پوچھا جارہا ہے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور خوب غور کیا جائے کہ مسئلہ کی نوعیت کیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ پہلو بھی سامنے رکھ لیا جائے کہ مسئلہ کیوں پوچھا جارہا ہے تو صحیح جواب دینے میں زیادہ آسانی رہتی ہے، اس لیے میں مفتیان کرام سے گزارش کیا کرتا ہوں کہ یہ ضرور دیکھیں کہ مسئلہ کیا ہے؟ لیکن اس کے ساتھ ''کیوں؟'' کا سوال بھی شامل کرلیں کہ مسئلہ پوچھنے والے کی غرض کیا ہے اور وہ اسے کہاں استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟۔

اس پر ایک واقعہ عرض کرنا چاہوں گا جو تفسیر قرطبی میں آیت کریمہ: ومن یقتل مؤمنا متعمدا الآیۃ۔ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شاگردوں کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور یہ بات پوچھی کہ کیا قاتل کے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں قاتل کے لیے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، وہ شخص یہ سن کر چلا گیا تو شاگردوں نے سوال کیا کہ حضرت الاستاذ! یہ آپ نے کیا

فرما دیا؟ ہمیں تو آپ نے یہ فرما رکھا ہے کہ توبہ کی گنجائش قاتل کے لیے بھی ہے مگر اس شخص کو مختلف جواب دے دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اس شخص کے چہرے سے اندازہ کرلیا تھا کہ یہ کسی کو قتل کرنے کے ارادہ سے جا رہا ہے اور اپنی تسلی کے لیے مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے۔

روایت میں ہے کہ مجلس کے شرکاء نے اس بات کا پیچھا کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا، وہ شخص اسی ارادے سے جا رہا تھا مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سن کر اس سے باز آ گیا۔

اس لیے اگر کسی بھی استفتاء میں یہ اندازہ کرلیا جائے کہ سوال پوچھنے والے کی نیت کیا ہے تو بات سمجھنے اور اس کا جواب دینے میں آسانی ہو جاتی ہے اور جواب موقع کے حوالہ سے ضرورت کے مطابق ہو جاتا ہے، اسی طرح تحقیق کے باب میں بھی کسی کا موقف سن کر یا اس کی بات پڑھ کر یہ تو دیکھا جاتا ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ لیکن اگر اس پر بھی غور کرلیا جائے کہ کیوں کہہ رہا ہے؟ تو بہت سی الجھنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر اس بارے میں بھی ایک واقعہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، قریب زمانہ میں ہمارے ایک محترم فاضل بزرگ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم گزرے ہیں جو عالم وفاضل تھے اور ان کی بہت سی علمی و دینی خدمات سے اہل علم مسلسل استفادہ کر رہے ہیں۔ اب سے ربع صدی قبل کی بات ہے انہوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھ دیا کہ نکاح میں چار بیویوں تک تحدید کا قرآنی حکم نازل ہونے کے بعد جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے والے بہت سے حضرات کو زائد بیویاں الگ کر دینے کا حکم دیا تھا وہاں خود بھی چار سے زائد بیویوں سے حقوق زوجیت میں لاتعلقی اختیار کر کے انہیں ''ازواج شرف'' (اعزازی بیویوں) کا درجہ دے دیا تھا، اس پر بہت سے دوستوں نے انہیں توجہ دلائی کہ یہ بات درست نہیں ہے۔

پشاور کے مولانا محمد اشرف قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ماہنامہ ''صدائے اسلام'' میں اور ہم نے ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرنوالہ میں اس پر گرفت کی تو ڈاکٹر صاحب محترم نے وضاحت سے کی کہ میں نے دراصل مغربی دانش وروں کے اس اعتراض کا جواب دینے کی ایک صورت اختیار کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے حکم کے بعد دوسروں سے چار سے زائد بیویاں چھڑوا دیں تو خود کیوں نہیں چھوڑیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے میں نے یہ اسلوب اختیار کیا ہے، یہ بات ایسے ہی تھی جیسے کوئی مناظر اپنے مخالف مناظر کے کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے اپنی طرف سے کوئی جواب گھڑ لیتا ہے جبکہ اس جواب کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہوتی اور یہ عام طور پر مناظروں میں ہوجاتا ہے، جسے بدنیتی پر محمول کرنے کی بجائے دفع الوقتی کی ضرورت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

ہم نے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مسئلہ ہے یہاں اس قسم کی بات کی گنجائش نہیں ہے اس لیے انہیں اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی چاہئے ،اس پر ڈاکٹر حمیداللہ صاحب مرحوم نے اپنے موقف سے رجوع کا اعلان کیا اور تحریری طور پر معذرت کی۔

اس لیے تحقیق کے باب میں بھی یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ کسی مسئلہ میں کسی دوست کا موقف معمول سے ہٹ کر دکھائی دے تو اس پر فوری ردعمل کا اظہار کرنے کی بجائے اس پہلو کو دیکھ لیا جائے کہ اسے یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے تو اسے سمجھانے اور صحیح موقف کی طرف توجہ دلانے میں بہتری اور آسانی رہتی ہے۔

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

یادگار واقعات (قسط ۶)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

رسالہ فضائل جہاد

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں رن کچھ کے علاقہ میں جہادی مہم شروع ہوئی تو آرمی کے بعض حضرات نے جو حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کے متوسلین میں سے تھے حضرت سے فضائل جہاد پر رسالہ لکھنے کی فرمائش کی حضرت والد صاحب اس زمانہ میں حضرت عثمانی کے ہاں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں مقیم تھے حضرت نے انہیں حکم فرمایا کہ آپ فضائل جہاد پر رسالہ مرتب کریں۔

چنانچہ حضرت نے ابوالمنذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی سے لی یہ اس زمانہ میں وہاں استاذ حدیث تھے اس کتاب میں جہاد کے فضائل پر احادیث مع ترجمہ کے جمع فرمائیں حضرت عثمانی نے چالیس احادیث کا فرمایا تھا اس رسالہ میں ۴۶ احادیث جمع ہوگئیں حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عثمانی کو پیش کیں اور عرض کیا کہ ۴۰ کی بجائے ۴۶ احادیث جمع ہوگئیں ہیں فرمایا کہ:

''بھائی زیادہ ہی ہوئیں کم تو نہیں اس لئے بہتر ہے''۔

پھر حضرت عثمانی ہی کے نام سے یہ رسالہ طبع ہوکر فوج میں تقسیم ہوا حضرت نے تمہید میں حضرت والد صاحب کا اسم گرامی بھی تحریر فرمادیا ہے۔

مستقل عنوان کے تحت حضرت والد صاحب کا یہ پہلا مضمون اور رسالہ تھا اس کے بعد بحمداللہ تعالیٰ بہت سے مقالات ومضامین اور کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب کی للّٰہیت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی بڑے عالم فاضل اور نہایت درجہ بارعب شخصیت کے مالک تھے اصل گنجیال کے رہنے والے تھے بڑے ہی زیرک ذہین تھے ایک ماہ میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا اور چار سال میں تمام کتابیں انہوں نے پڑھ لی تھیں امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت استفادہ کیا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے مجھ سے خود بیان فرمایا کہ ہم امرتسر پڑھتے تھے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری امتحان کیلئے تشریف لائے امتحان کے بعد پوچھا کہ دورہ حدیث کہاں پڑھنے کا خیال ہے تو ہم نے دیوبند کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ سے پڑھنے کا ارادہ ہے فرمایا کہ نہیں پہلے امینیہ میں مفتی محمد کفایت اللہ سے پڑھو اس کے بعد دیوبند میں مجھ سے پڑھنا تب فائدہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ایسا ہی کیا۔

فراغت کے بعد اپنے علاقہ میں کام شروع فرمایا یہاں کا سارا ماحول بدعات ورسومات اور رسم ورواج کا پابند تھا تشدد کی وجہ سے اہل علم بھی مناظرہ بازی کے چکر میں رہتے تھے ایک دوسرے کی تردید مخالفت گویا ہر روز کا مشغلہ تھا کچھ عرصہ کے بعد امرتسر ایک مرتبہ حاضری ہوئی حضرت الاستاذ جناب مفتی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ کیسے حالات ہیں آپ نے حالات عرض کر دیئے اور ماحول کی ناسازگاری کے ساتھ اہل بدعت کو بہت برا بھلا کہا حضرت مفتی صاحب نے اس سے منع فرمایا انہیں بڑی حیرانی ہوئی کہ حضرت تو خود ان کے متعلق اتنے سخت تھے اب کیسے نرمی فرمارہے ہیں حیرت سے پوچھنے لگے کہ حضرت جب ہم پڑھتے تھے اس زمانہ کا وہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک روز اخبار آیا اس میں جلی عنوان سے سرخی تھی کہ اہل بدعت کے فلاں امام کا انتقال ہوگیا تو آپ نے سرخی پڑھ کر فی النار وسقر کہہ کر اخبار پھینک دیا تھا اب یہ تبدیلی کیسے آگئی آج آپ بالکل عجیب بات فرمارہے ہیں؟۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں بھائی تمہاری بات ٹھیک ہے یہ واقعہ اسی طرح تھا لیکن اس وقت تک ہم تھانہ بھون نہیں گئے تھے اپنے عیوب پر نظر نہ تھی وہاں جا کر اپنے عیوب پر نظر پڑی تو اب ؎

''جہاں میں کوئی برا نہ رہا'' والا معاملہ ہو گیا۔

سعی کے چکر

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب سرگودھا بلاک نمبرا جامع مسجد میں تشریف لے گئے ایک عالم فاضل دیوبند جو بہت سادہ نہایت صالح اور دُرویش تھے طلبہ کو قدوری کا سبق پڑھا رہے تھے حضرت بھی وہاں بیٹھ گئے اس وقت کتاب الحج کا سبق ہو رہا تھا سعی بین الصفا والمروہ کا ذکر آیا تو اس میں سعی کے سات چکروں کا مسئلہ حضرت مولانا نے طلبہ کو سمجھایا ایک طالب علم نے سوال کیا کہ صفا اور مروہ کی سعی میں آنے جانے کو ایک چکر شمار کریں گے یا دو تو انہوں نے فرمایا کہ آنے جانے سے ایک چکر ہوگا اس طرح گویا چودہ چکروں سے سعی مکمل ہوگی۔

حضرت والد صاحب کو حیرانگی ہوئی کہ یہ کیسے فرمادیا بعد میں ان سے استفسار فرمایا کہ آنے جانے کو آپ نے ایک چکر کیسے فرمادیا؟

انہوں نے جواب میں طواف کا ذکر کیا کہ وہاں طواف حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود پر مکمل ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی صفا سے شروع ہو کر صفا پر ہی سعی مکمل ہو سکتی ہے کہ آنے جانے کو ایک چکر قرار دیا جائے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر کتاب کی عبارت'' یبدأ بالصفا ویختم بالمروة'' کیسے صحیح ہوگی؟ یہ اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب صفا سے مروہ جانے کو ایک چکر اور واپسی کو دوسرا چکر شمار کریں۔

اسی دوران حضرت مفتی......صاحب تشریف لے آئے ان سے ذکر آیا تو انہوں

نے حضرت مولانا کی تائید فرمائی۔ حضرت والد صاحب کو اس سے اور بھی حیرت ہوئی لیکن جب ان سے گفتگو ہوئی تو فرمانے لگے کہ چچا جان سے پوچھتے ہیں سب وہاں چلیں۔ حضرت مولانا احمد دین صاحب فقہ میں بڑے ماہر شامی کے حافظ اور متبحر عالم تھے چنانچہ سب وہاں پہنچے حضرت مفتی صاحب نے صورت مسئلہ سامنے رکھی تو انہوں نے سنتے ہی حضرت والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سچ کہتا ہے۔

حضرت فرماتے تھے کہ اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس وقت تک حج نہیں کیا تھا اور حج کے مسائل میں اس طرح کے شبہات پیش آتے رہتے ہیں کیونکہ یہ عملی چیز ہے جب تک انسان عمل نہ کرے اس وقت تک اس کا سمجھنا مشکل ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم تعلیمات بھی رہے ہیں ایک مرتبہ جامعہ حقانیہ میں ساہیوال تشریف لائے رات کو مدرسہ میں قیام فرمایا تعلیمی حالات وکوائف کا جائزہ جامعہ کی عمارت اور تعلیمی ماحول دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور معائنہ کے رجسٹر میں سب سے اولیں رائے گرامی بھی تحریر فرمائی۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ یہاں اس ماحول میں جو بدعت اور رفض کا گڑھ تھا مدرسہ کا قیام آسان نہیں تھا حضرت بھی سارے حالات سے باخبر تھے اس لئے مدرسہ کی ترقی کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے کہ بھائی آپ مدرسہ بنانے میں یہاں کیسے کامیاب ہوگئے آپ تو بالکل قریب ہیں مجھے تو یہ حضرات تئیس میل دور سرگودھا میں بھی تنگ کرتے رہتے ہیں پھر بہت سی دعائیں دیں۔

حضرت فرماتے تھے کہ یہ دراصل بزرگوں کی دعاؤں کے اثرات اور ان کے طریق کار کی برکت تھی ورنہ ایسے ماحول میں واقعۃً مدرسہ کا بنانا بہت ہی مشکل تھا و ذٰلك فضل اللّٰه یؤتیه من یشأ واللّٰه ذوالفضل العظیم۔

حضرت مفتی صاحب موصوف نے ''ہدایۃ الحیر ان'' سن کر اس پر تقریظ وتصدیق تحریر فرمائی تھی مگر کتاب کے ساتھ شائع نہیں ہوئی حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ آپ نے یہ تقریظ بہت سخت لکھ دی تھی غالباً دوسرے فریق کی تکفیر تک کر دی تھی جبکہ پوری کتاب میں یہ احتیاط کی گئی تھی کہ کتاب اور کلام کا رد کیا جائے نہ کہ متکلم اور مؤلف کا اس لئے میں نے اس کو شائع کرنا مناسب نہ سمجھا اگر چہ حضرت موصوف نے بڑی محنت سے کتاب کو دیکھ کر تصدیق فرمائی تھی اس میں کافی حوصلہ افزا کلمات بھی تھے مگر تفصیل بالا کے پیش نظر اس کو شائع نہیں کیا گیا۔

حضرت مولانا مرحوم اگر چہ پکے حنفی تھے مگر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ''حرمت مصاہرت'' کے مسئلہ میں حضرت امام اعظم کے مسلک کا راجح ہونا معلوم نہیں ہوتا ان کا خیال یہی تھا کہ اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی کا قول زیادہ صحیح ہے لیکن یہ صرف خیال کی حد تک ہی تھا فتویٰ آپ نے کبھی امام صاحب کے مسلک کے خلاف اس مسئلہ میں نہیں دیا۔

موصوف حضرت والد صاحب سے بہت شفقت فرماتے تھے حضرت جد امجد مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی سے بھی ان کے بہت تعلقات تھے تقسیم ملک کے بعد جب یہ حضرات سرگودھا پہنچے اسی وقت سے آپ کے ساتھ تعلق خاص قائم ہو گیا تھا مختلف امور اور مسائل پر کافی حد تک تبادلہ خیال رہتا تھا حضرت جد امجد کا خیال تھا کہ ضلع سرگودھا میں دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک عظیم ادارہ بننا چاہیئے اس کیلئے آپ نے ابتدائی درجہ میں کوشش بھی فرمائی تھی حضرت مفتی صاحب بھی اس کام میں آپ کے ساتھ تھے حضرت کے بعض فتاویٰ پر حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کی تصدیق بھی موجود ہے آپ کی وفات کے بعد حضرت موصوف نے احقر کے حضرت والد صاحب سے برابر شفقت ومحبت کا تعلق رکھا فقہ اور علمی مسائل میں ان کا حضرت پر بہت اعتماد تھا ان کے ہوتے ہوئے مسئلہ نہیں بتاتے

تھے بلکہ آپ کے حوالہ کر دیتے تھے کتب خانہ کی چابی حضرت والد صاحب کے حوالہ فرمادی تھی حضرت جب چاہتے سرگودھا جا کر کتب خانہ سے استفادہ فرماتے ملاقات ہوتی تو گھنٹوں گفتگو کیلئے کھڑے رہتے اور بہت محبت سے واقعات وحالات سناتے ایک مرتبہ بدائع الصنائع کی جلدوں پر بات چلی کہ یہ کتاب کتنی جلدوں میں ہے بعض حضرات کا خیال تھا کہ ۸ ہیں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ نہیں ۷ ہیں اور کتب خانہ میں فلاں جگہ ہیں اس پر یہ حضرات بڑے خوش ہوئے۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

چند سال قبل کی بات ہے ایک صاحب نے جو عقائد میں علماء دیو بند سے سخت اختلاف رکھنے کے باوجود دیو بندی ہونے کے مدعی ہیں ''علماء پاکستان کے نام کھلا خط'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں دعویٰ تھا کہ وفات کے بعد روح کا قبر میں جسم کے ساتھ تعلق نص قرآنی اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الایۃ کے خلاف ہے جو شخص اس کا قائل ہے وہ نص کا منکر ہے اس نے اسی قسم کی لا یعنی تقریر بزعم خویش لاجواب سمجھ کر شائع کر دی اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار پر ایک اشتہار بھی لکھا جس میں مختلف عبارات کو توڑ مروڑ کر اپنے مفید مطلب بنانے کی سعی لاحاصل کی گئی تھی کئی حضرات اہل علم نے اس کا جواب لکھا اور اس رسالہ میں پیش کردہ تمام مستدلات کے شافی اور مسکت جواب تحریر فرمائے۔

احقر کو خوب یاد ہے کہ دار العلوم کبیر والا کے جناب حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب مدظلہم جامعہ حقانیہ تشریف لائے حضرت اقدس والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو انہوں نے اپنا لکھا ہوا جواب سنایا حضرت نے بغور سن کر بعض مقامات پر مشورے پیش فرما کر تصدیق فرمائی۔

اسی دوران حضرت مفتی صاحب نے اسی سلسلہ میں ایک اشتہار کی عبارت کا ذکر

کیا کہ وہ ملی نہیں اسی لئے اس کا جواب نہیں لکھا گیا۔ اشتہار میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کے قائل نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی کو اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اگر وہ زندہ ہوتے اور تمہارے یہ حالات دیکھتے تو ہرگز راضی نہ ہوتے''۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں ہیں۔

حضرت والد ماجد نے سنتے ہی فرمایا کہ یہ عبارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہیں ہے کیونکہ ''حضرت ایشاں'' کا جملہ بھی یہی بتا رہا ہے کہ حضرت مجدد صاحب یہ بات کسی اور کے متعلق فرما رہے ہیں نہ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اگر آپ کے متعلق عبارت ہوتی تو سرور عالم وغیرہ اس طرح کا کوئی جملہ ہوتا جو حضرت مجدد صاحب کا اکثر معمول ہے پھر فرمانے لگے میرا یہی خیال ہے لیکن مکتوبات بھی دیکھ لینے چاہئیں۔

چنانچہ ہم سب مکتوبات دیکھنے میں مشغول ہو گئے جو حوالہ اشتہار میں تھا وہاں تو یہ عبارت نہ ملی ادھر مکتوبات کا سلسلہ کئی جلدوں اور حصوں پر محیط ہے بظاہر عبارت کا ملنا خاصا مشکل تھا لیکن حضرت اقدس کو مکتوبات سے بہت مناسبت اور تعلق تھا اس لئے جلدی ہی یہ عبارت مل گئی دیکھنے سے اسی حقیقت کی تصدیق ہوئی جو حضرت نے عبارت سنتے ہی فرمائی تھی واقعۃً اس عبارت کا تعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں تھا حضرت مجدد صاحب دراصل اپنے پیرزادگان خواجہ عبید اللہ وغیرہ کو اپنے اس مکتوب گرامی میں تحریر فرما رہے تھے کہ:

''آپ حضرات نے حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد جو بعض غیر شرعی امور اور بدعات شروع کر دی ہیں یہ انتہائی افسوس ناک ہیں اگر حضرت والا (یعنی آپ کے والد بزرگوار) زندہ ہوتے اور وہ یہ سب کچھ دیکھتے تو ہرگز اس کو برداشت نہ فرماتے''۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ تھی حقیقت اس حوالہ کی جس پر اتنے شور زور سے

دعویٰ کیا جارہا تھا کسی نے صحیح کہا ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

حضرت والد صاحب بہت خوش ہوئے اور ہم سب کو بطور خاص حضرت مفتی صاحب کو بہت ہی حیرت ہوئی کہ اس شخص نے کس قدر تلبیس سے کام لیا لیکن اس تلبیس کا پردہ چاک حضرت اقدس نے فرمایا ورنہ کافی مشکل پیش آرہی تھی۔ فللّٰہ درہ وعلی اللّٰہ اجرہ.

شخص مذکور نے اشتہار میں یہ اعلان بھی کیا تھا کہ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو اتنا انعام، میں نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ اب تو آپ یقیناً انعام کے مستحق ہو گئے ہیں اس سے ضرور انعام لینا چاہئے کیونکہ اس کا حوالہ بدیہی البطلان اور غلط ہے اس پر کافی دیر تک گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی۔

جامعہ کی انکوائری کا واقعہ

۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ پورا ملک سوشلزم کی لپیٹ میں تھا ملک کے سیاسی افق پر بے دین لوگ طلوع ہونے کی سوچ رہے تھے ان کی سعی اور کوشش اس کیلئے تیز تر تھی انتخابات کے نام پر ہر جگہ ہنگامے تھے ہر پارٹی استحقاق کی مدعی تھی اہل علم اور ہمارے بزرگوں نے باطل قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مسلمانوں کو اس فتنہ سے بطور خاص آگاہ کیا حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے بھی مرکزی جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے ہر ممکن اس کے خلاف کام کیا کئی مضامین بھی قلم بند فرمائے اور فتاویٰ بھی لکھے اور بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب بھی فرمایا ملک کی بدقسمتی کہ انتخاب کے نتیجہ میں وہی پارٹی غالب آ گئی جو دین دشمن تھی اس نے انتقامی کاروائی کا آغاز کیا حضرت کا اسم گرامی بھی چونکہ اس سلسلہ میں نمایاں اور سرفہرست تھا اس لئے جامعہ حقانیہ کی بھی انکوائری ہوئی پنڈی سے بعض ذمہ دار افراد حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب صدیقی مہتمم مدرسہ

مدینۃ العلوم سرگودھا کے توسط سے ساہیوال پہنچے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت قاری صاحب بہت گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ پنڈی سے افسران انکوائری کیلئے آئے ہیں پریشانی اور تشویش کی بات ہے حضرت نے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں کوئی پریشانی نہیں ہے افسران حضرات بھی پہنچ گئے انہوں نے مختلف سوالات کئے جن کا حضرت نے بڑے حوصلہ سے جواب دیا۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ مدرسہ کیسے چل رہا ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ آپ یہاں بیٹھئے آپ کو بھی پتہ چل جائے گا کہ کیسے چل رہا ہے لوگوں کو آپ پر اعتماد ہوگا تو چندہ دیں گے ورنہ نہیں۔

پھر یہ سوال ہوا کہ اگر حکومت مدرسہ کو تحویل میں لیلے تو آپ کا کیا طرز عمل ہوگا؟

حضرت نے فرمایا میرا اسی وقت استعفیٰ ہوگا میں آپ حضرات کی ماتحتی میں ایک منٹ بھی کام نہیں کروں گا اور آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مدرسہ دیوار اور عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ ہم جہاں بیٹھ کر پڑھائیں گے وہی مدرسہ ہوگا۔

ایک افسر نے آخر میں حضرت سے ان کی تنخواہ کا سوال کیا انہیں میں سے ایک صاحب نے کہا کہ علماء حضرات اپنی تنخواہیں صحیح نہیں بتاتے۔

حضرت غصہ میں اٹھے الماری سے تنخواہ کا رجسٹر نکال کر آپ نے ان کے سامنے پھینک کر مارا اور فرمایا وہ حرام خور تنخواہ بتاتے ہوئے ڈرتا ہے جو ایک پیسہ کا کام کرکے سو روپے لے جو سو کا کام کرکے ایک پیسہ لے وہ تنخواہ بتاتے ہوئے کیوں ڈرے گا۔

حضرت قاری جلیل الرحمٰن صاحب نے ان سے کہا کہ مفتی صاحب مدرسہ میں بہت سے کام خود کرتے ہیں حساب و کتاب خود لکھتے ہیں تدریس کرتے ہیں فتویٰ لکھتے ہیں امامت اور خطابت بھی ہے مدرسہ کا اہتمام بھی ہے اس کے علاوہ مصنف بھی ہیں مضامین

ومقالات اور کتابیں بھی تصنیف فرماتے ہیں اس کے باوجود تنخواہ ایک عہدہ کی بھی پوری نہیں لیتے انہوں نے جب تنخواہ دیکھی تو حیران رہ گئے کہ واقعۃً یہ تو ادنیٰ درجہ کے ملازم کی تنخواہ کے برابر بھی نہیں ہے پھر اتنے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود یہ تنخواہ درحقیقت تنخواہ ہی نہیں ہے آپس میں کہنے لگے کہ بھائی وزیر صاحب کو کسی نے غلط شکایت کی ہے یہ ایسے حضرات نہیں ہیں۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے جب انہوں نے انکوائری مکمل کرلی تو میں نے ان سے کہا کہ کوئی اور بھی اگر آپ کا سوال ہو تو آپ پوچھ لیں کہنے لگے کہ نہیں ہمیں اطمینان ہوگیا ہے اس کے بعد ان سے پانی چائے کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے میں نے اس لئے آپ سے پانی وغیرہ کا نہیں پوچھا کہ آپ اس کو کہیں رشوت نہ سمجھ بیٹھو اب چونکہ آپ کا کام مکمل ہوگیا ہے لہٰذا اب مہمان ہونے کی حیثیت سے اخلاقاً ضروری ہے کہ میں آپ کی قدرے خاطر تواضع کروں یہ حضرات پھر کافی دیر تک مجلس میں بیٹھے رہے اور بڑے محظوظ اور متأثر ہوکر گئے۔

حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کبھی بھی اس کے بعد معلوم نہیں کیا کہ انہوں نے کیا رپورٹ کی کسی نے سچ کہا ہے ؎

آں را کہ حساب پاک ست از محتسب چہ باک

(جاری.........)

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۲۰/ربیع الثانی: جامعہ کے سابق طالب علم حافظ محمد عمران ایک حادثہ میں انتقال کر گئے، حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے نماز جنازہ پڑھائی جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ بھی جنازہ میں شریک ہوئے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں۔۲۱: حضرت مدظلہم نے مدرسہ اشرفیہ چوہال میں جلسہ سے خطاب فرمایا۔۲۲: حضرت مدظلہم نے بعد نماز عصر جامعہ میں ہفتہ وار اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۲۷: حضرت مدظلہم جامعہ کے استاذ مولانا سجاد حسین صاحب، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدرس مدینۃ العلوم سرگودھا اور دیگر رفقاء کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ۱۸ جمادی الاولیٰ کو بخیریت واپس تشریف لے آئے۔۲۶ جمادی الاولیٰ: حضرت مدظلہم نے مدرسہ فاروقیہ مبارے خان میں بیان فرمایا۔۲۸: حضرت مدظلہم نے جامعہ میں ہفتہ وار اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

جامعہ حقانیہ محلّہ قلعہ والا

جامعہ ھٰذا کے دوصحنوں کا فرش خراب ہو چکا تھا اس لیے اب دوبارہ نیا فرش لگایا جارہا ہے۔جس کا تخمینہ لاگت تقریباً چار لاکھ روپے ہے۔

جامع مسجد ترمذی:

ساہیوال حقانیہ ٹاؤن فروکہ روڈ پر جامع مسجد ترمذی کے تہہ خانہ 94x76 کی چھت کے بعد اوپر کی تعمیر کا کام زیر غور ہے۔جس میں مسجد کے ہال، برآمدے پہلی اور دوسری منزل کی تعمیر کا کام ہے، تخمینہ لاگت تقریباً ساڑھے تین کروڑ روپے ہے۔قارئین سے سہولت کے ساتھ تکمیل کے لیے دعا کی درخواست ہے۔